Article

Travelogue of Khawja Ekram-Ud-Din:A Review

(With special reference to Few Days in the country of Imam Bukhari)

خواجہ اکرام الدین کی سفر نامہ نگاری: ایک جائزہ

(امام بخاری کے ملک میں چند روز کے حوالے سے)

Maria Aslam*[1]
Lecturer, Department of Urdu, Govt Graduate College for Women Dijkot, Faisalabad
Hafiza Humaira Sarwar*[2]
M.Phil Scholar, Department of Arabic, Govt College University, Faisalabad

*[1]ماریہ اسلم
لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجوایٹ فار وویمن، ڈجکوٹ، فیصل آباد
*[2]حافظہ حمیرا سرور
ایم فل سکالر، شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Correspondance:mariaaslam0110@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 12-10-2024
Accepted:20-12-2024
Online:25-12-2024

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY)

Abstract: "Imam Bukhari ke Mulk Mein Chand Roz" travelogue by Prof. Khawaja Ekramuddin. This writing captures Khawaja Ekramuddin’s experiences as a visiting professor in Uzbekistan, focusing on its cultural, historical, and academic facets. It portrays Uzbekistan as a hub of Islamic heritage, with detailed descriptions of cities like Tashkent, Samarkand,and Bukhara, emphasizing landmarks such as the Imam Bukhari Complex and Shah-i-Zinda.The travelogue intertwines personal observations with scholarly insights, exploring themes of Urdu education in Uzbekistan and the cultural exchanges between South Asia and Central Asia. Ekramuddin’s vivid narrative captures the essence of local traditions, hospitality, and educational practices, enriched with historical references and visual

license documentation. By addressing the historical significance of figures like Imam Bukhari and the architectural splendour of sites such as Registan Square, the travelogue serves as both a cultural bridge and an academic resource.

KEYWORDS: Uzbekistan, Registan Square, Tashkent, Samarkand, Bukhara, language, literature, culture, tradition, Islam, art, architect, Urdu, education. Khwaja Ekramuddin.

اردو میں سفر نامہ نگاری کی طویل روایت رہی ہے۔سفر ناموں نے نہ صرف ہمارے ادب کو متمول کیا ہے بلکہ یہ کئی اعتبار سے معلومات کے اہم دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ادبی اصناف کے بطور سفر ناموں کی کئی جہتیں اور اقسام ہیں ،بعض سفر نامے خالصتاً ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ہوتے ہیں اور بعض مذہبی، بعض سفر نامے طنز و مزاح کے پیرائے میں بھی لکھے گئے ہیں۔ آج میں جس سفر نامے پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں وہ ان سفر ناموں سے اس لیے الگ ہے کہ اس ایک ایسا سفر نامہ ہے جس میں بیرونی ممالک میں اردو تدریس، تعلیم اور اردو کے مراکز کے حوالے سے اہم معلومات فراہم کیے گئے ہیں۔یہ تمام تفصیلات ان کے سفر نامے "مشاہدات" میں موجود ہیں۔زیر نظر سفر نامہ بھی یہ عناصر موجود ہیں۔

خواجہ صاحب سفر اور اس کے کمالات و فوائد سے بہت اچھے سے واقف ہے خواجہ صاحب کی سفر سے دلچسپی اور محبت کا اندازہ ان کی کتاب ”اردو سفر ناموں میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت“ کے عنوان سے ظاہر ہوتی ہیں۔سفر نامے کے حوالے سے خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

> ”انسان اپنی امنگوں، آرزوں اور کشا کش کا مطالعہ اپنی تہذیب و ثقافت میں ہی کرتا ہے اور وقت و حالات کے تحت اپنا لائحہ عمل تیار کرنے اور جہان نو کی طرف قدم بڑھاتا ہے اس لائحہ عمل کے تیار کرنے اور جہان نو کی طرف قدم بڑھانے میں اس کی دورانہ ہشی کے لیے سیر و سیاحت شرط ہے۔یہی وجہ ہے کہ سیاست کا شوق اور نئی دنیاؤں کی ہر انسانی تہذہب کی ابتدا سے ہی اس کی فطرت کا ایک حصہ رہا ہے۔“(۱)

اردو ادب کی دنیا میں خواجہ صاحب ایک روشن ستارے کی مانند ہے۔اردو زبان و ادب کے لیے ان کی کاوش لائق تحسین ہیں۔خواجہ اکرام الدین ورلڈ اردو ایسو سی ایشن کے صدر ہے۔ورلڈ اردو ایسو سی ایشن کے اس پلیٹ فارم سے آن لائن سیمینار اور مذاکرے کے ساتھ ساتھ سب سے اہم پیش رفت یہ کی کہ خواجہ صاحب نے مجری اور غیر ملکی ادیبوں کا تعارفی سلسلے کے تحت پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ادیبوں سے لوگوں کو متعارف کرانے کا اہتمام کیا ہے اور ان ممالک میں سفر بھی کیا جہاں اردو کی بستیاں موجود ہیں۔

امام بخاری کے ملک میں چند روز

یہ کتاب پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین سفر نامہ ازبکستان پر مشتمل جون ۲۰۱۹ء میں ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے زیراہتمام شائع ہوئی۔ اس سفر نامے کے حوالے سے خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر مجاعبدالرحمانو، استاد تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز نے بہ حیثیت وزیٹنگ پروفیسر نے بلایا اور مجھے پندرہ دنوں کے قیام کا موقع ملا۔ اس سفر میں وہاں کی علمی و ادبی ماحول کو دیکھا اردو، ہندی اور فارسی کے اساتذہ اور طلبہ و طالبات سے ملاقات بھی ہوئیں اور وقت نکال کر تاشقند، سمرقند اور بخارا کو بھی دیکھا چونکہ یہ ملک مجھے بہت پسند ہے۔ اسی لیے ایک ایک یاد داشت کو قلمبند کرتا گیا۔۔ اس سفر نامے میں تعلیمی احوال اور ازبکستان میں بزرگان دین کی زیارت گاہوں پر میرے تفصیلی تاثرات ہے۔ اس ملک کو کئی حوالوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن میرا زاویہ نظر یہی تھا۔''(۲)

اس کتاب میں خواجہ صاحب نے ۱۱مئی سے مئی ۲۴تک کے احوال بیان فرمائے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں ازبکستان کی شہرت کی وجوہات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر بطور مہمان پروفیسر تاشقند میں میری آمد: یہاں کا تعلیمی نظام اور علمی ماحول، تاشقند مشرق وسطیٰ میں اردو، ہندی کا عظیم مرکز، سمرقند شہر اولیا و صوفیا، امام بخاری کمپلیکس، سمرقند میں مختصر قیام، شاہ زندہ، مسجد خضر، ریگستان اسکوائر، امیر تیمور کا مقبرہ، اللہ کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار مبارک پر، بخارا روانگی، دل کو چھو جانے والی چند رسمیں، مردانہ پلاؤ کی رسم، سات خواجگان کا شہر بخارا، شادی کی تقریبات اور کچھ نئی رسمیں، تاشقند واپسی، لال بہادر شاستری سینٹر فارانڈین کلچر میں لیکچر، پروفیسر چندر شیکھر کے گھر افطار کی دعوت جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ یہ ایک جامع اور مختصر سفر نامہ ہے۔

اس سفر نامہ میں نہ صرف سفر نامے کا احوال بیان کیے گئے بلکہ تصاویر کو بھی کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ ازبکستان جس کو اولیاء، صوفیا، انبیاء کا ملک کہا جاتا ہے کیونکہ امام بخاری کا تعلق بھی ازبکستان سے ہے۔ ازبکستان کا شہر ''بخارا'' جو اسلامی ممالک میں بہت مشہور ہے۔ بے شک یہ ازبکستان کا پانچواں بڑا شہر ہے۔ اگر قدیم شہروں کا ذکر کیا جائے تو بخارا اہم شہر مانا جائے گا۔ بخارا شہر کے حوالے سے خواجہ صاحب لکھتے ہیں :

> ''بخارا قدیم تہذیب کا نمائندہ شہر ہے۔ بخارا کے ساتھ سمرقند کا نام بھی لیا جاتا ہے لیکن بخارا زیادہ مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس شہر پر کئی اقدام کی حکومتیں رہی ہیں اور اسلامی ممالک کے طور پر بھی بخارا سرفہرست ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بخارا شاہراہ ریشم(Silk

Route) پر واقع ہے۔ یہاں صدیوں سے تجارت کے لیے بہت سے ملکوں سے لوگ آتے تھے۔ اس لیے تاجروں کی آمد و رفت سے ایک مشترکہ تہذیب کی بنیاد پڑتی ہے۔“(۳)

ازبکستان کے شہر بخارا میں جدید بازار بن جانے کے باوجود قدیم سرائے اور بازار موجود ہے۔ جو قدیم تہذیب کی یاد دلاتے ہیں۔ اس شہر میں اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے بہت کام کیا گیا ہے۔ بخارا کی مساجد اور مقبرے زمانۂ قدیم کی یاد تازہ کرتے ہیں اور بہت سے سیاح اس شہر کو دیکھنے آتے ہیں۔ سیاحوں نے سمرقند اور بخارا شہر کو ”مزارات کا شہر“ کہا ہے۔ اس سرزمین میں عالمی شہرت یافتہ بزرگان دین اور صحابہ کرام کے مزارات موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سرزمین کو روحانی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے خواجہ صاحب ازبکستان کے شہر بخارا کا تعارف یوں لکھتے ہیں کہ:

”تاریخ اسلام میں بخارا پہلی مرتبہ ۸۵۰ء میں دولت سامانیہ کا دارالحکومت قرار پایا، سامانیوں کے دور عروج میں یہ شہر اسلامی دنیا میں علم و ادب کے مرکز کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں بخارا ایرانی تہذیب کا اہم ترین مرکز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شہر حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے تین سو سال پرانا ہے۔ یہ شہر کو ۵ اور ۷ صدی عیسوی میں فن تعمیر کے حوالے سے تمام مملکتوں میں ممتاز تھا۔ اس شہر کو حضرت امام بخاری کی وجہ سے بھی جانا جاتا ہے اور عزت و احترام سے نام لیا جاتا ہے کیونکہ قرآن کریم کے بعد پوری دنیا میں جو کتاب سب سے اہم مانی جاتی ہے وہ امام بخاری کی ”صحیح البخاری“ ہے۔ امام بخاری نے بڑی محنت سے رسول ﷺ کی حدیثوں کو جمع کیا۔۔۔۔۔۔ اس ملک کو حضرت امام ترمذی علیہ الرحمہ الرضوان کی وجہ سے بھی شہرت اور عظمت ہے۔ امام بخاری کے بعد امام ترمذی جن کا تعلق شہر ترمذ سے ہے۔ جو بلخ کے کچھ فاصلے پر دریائے آمور کے کنارے واقع ہے۔ امام ترمذی کی شخصیت عالم اسلام میں محبت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ امام بخاری امام ابو داؤد سے درس حدیث لینے کے بعد اسی طریق کو اپنایا۔ حدیث کو جمع کرنے کے لیے آپ نے بھی خرسان، عراق اور حجاز کا سفر کیا۔ ”جامع ترمذی“ کو بھی عالم اسلام میں استناد کا درجہ حاصل ہے۔ اس لیے اس کی لاتعداد تشریحات بھی لکھی گئیں۔ اس لیے عالم اسلام میں

بالخصوص برصغیر کے تمام مدارس میں صحیح بخاری اور جامع ترمذی پڑھائی جاتی ہیں۔"(۴)

امام بخاری اور امام ترمذی علیہ اسلام کے علاوہ اس ملک میں عظیم ہستیاں ہیں جن میں صاحب ہدایہ، ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (البیرونی سائنسدان، ماہر کلیات، ماہر علم نجوم اور اس کے علاوہ کئی علماو مشائخ کا تعلق اسی پاک سرزمین سے ہے۔

بطور مہمان پروفیسر تاشقند میں میری آمد اور یہاں کا تعلیمی نظام اور علمی ماحول خواجہ صاحب کو تاشقند سے ملنے والی دعوت جو تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کی طرف سے تھی۔ اس دعوت کا مقصد خواجہ صاحب کو بطور مہمان پروفیسر مدعو کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر محیاعبدالرحمانوا اور پروفیسر الفت محب نے ائیر پورٹ پر گرمجوشی سے خواجہ صاحب کا استقبال کیا اور دونوں خواتین اساتذہ نے ائیر پورٹ پر جو تاثر دیا۔ وہ ازبکستان کے مہمان نواز ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ ان خواتین کے ہمراہ خواجہ صاحب انسٹی ٹیوٹ کے مہمان خانے پہنچے۔ جہاں ضرورت کی تمام چیزیں میسر تھی۔ اگلے دن ڈاکٹر محیاعبدالرحمانوا کے ہاں ناشتے کی دعوت سے فارغ ہو کر ان کے ہمراہ انسٹی ٹیوٹ تشریف لے گئے۔ جہاں شعبے کے تمام اساتذہ اور طالب علموں نے بہت محبت سے استقبال کیا طلبا و طالبات اور اساتذہ کے درمیان خلوص و محبت نے خواجہ صاحب کو مزید اپنائیت کا احساس دلوایا۔

جس دن خواجہ صاحب کی کلاس تھی ڈاکٹر محیا نے پوری کلاس کو خواجہ صاحب کا ازبکی زبان میں تعارف کرایا۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں ہر کلاس ۸۰ منٹ کی ہوتی ہے اور بی۔ اے سے پی۔ ایچ۔ ڈی تک کی تعلیم کا نظم تھا اور ان کے نصاب میں تمام اردو کے طالب علموں کو ہندی اور ہندی سبجیکٹ والوں کو اردو لازمی سبجیکٹ کے طور پڑھائی جاتی تھیں۔ خواجہ صاحب کے انداز تدریس سے طالبہ وطالبات نے خواب اشتیاق سے درس میں حصہ لیا اور ۸۰ منٹ کا پتہ بھی نہیں چلا کب ختم ہوا۔ اس سفر نامے میں دوران کلاس سرگرمی کی تصاویریں بھی لی گئی۔ نظام تعلیم کے سلسلے میں یہ انسٹی ٹیوٹ سخت ہے۔ باقاعدہ رجسٹر پر حاضری، اور طلبہ وطالبات کے درست لباس اور وہاں کی پویس طالب علم کو ورکنگ ڈے میں سیر و تفریح کی اجازت نہیں دیتی۔

اس ادارے میں "مہاتما گاندھی" کے نام سے ہال ہے جسے "ہندوستانی سینٹر" کہا جاتا اور ایک ہال پاکستان کی طرف سے بنایا گیا ہے جسے "پاکستانی کارنر" کہا جاتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان سے بہت سے طالب علم وظیفے پر ہر سال ازبکستان میں اعلیٰ تعلیم کے لے جاتے ہیں۔

تاشقند مشرقِ وسطیٰ میں اُردو۔ہندی کا عظیم مرکز

۱۹۴۷ء سے تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کے ذریعے اس ادارے میں اردو اور ہندی کی تعلیم کا سلسلہ ابھی تک جاری ہیں۔ تاشقند مشرقی وسطیٰ میں اردو اور ہندی کا اہم مرکز ہے۔ جہاں جدید اور روایتی تعلیمی ادارے موجود

ہیں۔(دو سال قبل اب یہ انسٹیٹیوٹ یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا ہے)تاشقند کے تعلیمی ادارے کے متعلق خواجہ صاحب یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> ”تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کو ایک خاص اہمیت اس لیے حاصل ہے کہ اس ادارے میں دنیا کی اہم مشرق زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے کسی بھی غیر ملک میں دوسرے ملک کی زبان کی تعلیم اور تدریس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ براہ راست اس ملک کی تہذیب اور اس کے تمدن سے آگہی حاصل کرنا۔“(۵)

ہندوستان میں اردو بولنے والوں کی تعداد تیس کروڑ سے زیادہ ہے۔ اردو میں کثرت سے مشرقی وسطی کی زبانوں اور علاقائی بولیوں کے الفاظ موجود ہیں۔ مشرقی وسطیٰ میں اردو ہندی اور ہندوستان میں مشرقی وسطی کے زندگی پر تہذیبی اور تمدنی اثرات آج بھی واضح نظر آتے ہیں۔خواجہ صاحب نے ازبکستان اور ہندوستان کے درمیان باہمی رشتوں پر بھی مختصر نوٹ تحریر کیا ہے۔ جس میں بابر کی ہندوستان پر حکومت اور اس کے اثرات جسے خواجہ صاحب نے ”ہندوسط ایشیائی قدر“ کا نام دیا ہے۔

”ترکستان انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز“ جہاں اردو اور ہندی کے علاوہ بہت سی مشرقی زبانیں پڑھائی جاتی ہے۔ اس ادارے کا نام ۱۹۱۱ء میں تبدیل کر کے تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز رکھا گیا۔ اس کا مقصد مشرقی وسطیٰ تہذیبی،لسانی اور اقتصادی لحاظ سے جن ممالک کے ساتھ قریبی وقت گزارا ان کی تہذیب وتمدن کو زبان کے ذریعے سکھایا جائے۔ اس کے علاوہ خواجہ صاحب نے اس ادارے میں درس و تدرس سے وابستہ افراد جس میں صدر شعبہ پروفیسر الفت محب اور ڈاکٹر میاعبدالرحمانوا، ڈاکٹر سراج الدین نور متوف، ڈاکٹر لولا مکتوبہ، سلیمانو امعمورا، شاراحمید واصحلعہ، کمالہ ارگاشو اور تمار خوجائیوا وغیرہ شامل ذکر ہیں۔ اس ادارے سے وابستہ بہت سے اساتذہ کے مضامین ملک اور بیرون ملک کے رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس ادارے کی خاص بات کا ذکر بھی خواجہ صاحب نے کیا ہے کہ یہاں کوئی بھی استاد سبکدوشی کے بعد بھی جب تک چاہیں درس و تدرس کا سلسلہ جاری رکھ سکتے ہیں۔

تاشقند میں خواجہ صاحب کے ساتھ دو طالب علم شاہجہاں اور سعد اللہ زادہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جن کے ہمراہ خواجہ صاحب نے تاشقند کے تاریخی مقامات کی سیر کی جس میں ”خست امام“ اسے (”ہست امام“ بھی کہتے ہیں) جس کی خواجہ صاحب نے خوبصورتی سے تصویر کشی کی ہے کہ یہ ایک وسیع و عریض کمپلیکس میں واقعہ مسجد ہے۔ اسی میں قرآن میوزیم بھی ہے جس کی تاریخ کے متعلق خواجہ صاحب یوں تحریر کرتے ہیں:

> ”اس میوزیم میں تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے دست مبارک سے لکھا قرآن پاک موجود ہے۔ جو تین سو ترپن(۳۵۳) چمڑے کے اوراق پر مشتمل ہے،اسی قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے آپؓ شہید ہوئے تھے۔

اس قرآن پاک پر آپ کے خون مبارک کے نشانات موجود ہے۔ جس وقت آپؓ کی شہادت ہوئی آپؓ اسی قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے حکم سے قرآن پاک کی حفاظت اور کسی بھی طرح کی تحریف سے پاک رکھنے کے لیے چھ نسخے تیار ہوئے۔ جس میں سے پانچ نسخوں کا کوئی علم نہیں کہ کہاں ہیں صرف یہ نسخہ جو تاشقند میں موجود ہے۔ وہی اب تک دریافت ہوا ہے۔ یہ نسخہ امیر تیمور کے زمانے میں عراق سے لایا گیا تھا۔"(٦)

تاشقند میں واقع "قرآن میوزیم" میں دنیا کے تمام نادر و نایاب قرآن پاک کے نسخے موجود ہیں اور جتنی بھی زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم ہو چکے ہیں۔ وہ سب بھی ممکنہ طور پر شامل ہیں اور اس کے علاوہ قرآن و حدیث کے بہت سے اہم مخطوطات بھی موجود ہیں۔

قرآن میوزیم کے باہر آخری سرے میں ایک مسجد جیسی عمارت جو آرٹ گیلری کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ یہ تاشقند اور ازبکستان کی قومی دستکاریاں فروخت کی جاتی تھی۔ جس میں لکڑی کی ریحل قومی طرز کے زیورات وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

خواجہ صاحب "خیابان تیمور" جو ازبکستان میں ایک پرانا ہوٹل ہیں۔ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ ہوٹل تاشقند کی اہم شاہراہ پر واقع ہے اور اس کے سامنے ایک خوبصورت پارک ہے جسے "خیابان تیمور" کہتے ہیں۔ خواجہ صاحب اس پارک اور ازبکستان کی خوبصورتی کو یوں بیان کرتے ہیں:

"خواہ وہ سڑکوں پر لگے بجلی کے کھمبے ہوں یا سڑکوں پر بنے نشانات، چھوٹی سی چھوٹی چیزوں میں خوبصورتی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے سو اس پارک میں بھی تمام چیزیں دیکھنے کو ملیں۔ سڑک کے دونوں کناروں پر خوبصورت ہرے بھرے چنار، پستہ اور مختلف انواع کے درختوں کے ساتھ "کشتاں" کے خوبصورت اور سایہ دار درخت شہر کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ "کشتاں" ازبکستان میں یہ درخت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ یہ بہت ہی گھنا، سایہ دار درخت ہے لیکن اس کی ایک اہم خوبی بھی ہے اس کے پھول سفید ہوتے ہیں اور پھل ڈارک براؤن (سرخی مائل) اس کا پھل تقریباً جامن کی طرح ہوتا ہے لیکن بہت سخت ہے اس کے پھل کو پیس کر سیر پینایا جاتا ہے جو ہڈیوں کے جوڑوں کے لیے مفید ہوتا ہے یہ گھریلو نسخے

کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں جن کے گھٹنوں کے گودے کم
ہونے لگتے ہیں ان کے لیے مفید ہے۔"(۷)

اس کے علاوہ "تیمور میوزیم" کی باقاعدہ تصویر شامل کی گئی ہیں اور اس عمارت کے نقش و نگار جو آنکھوں کو مسرت دیتے ہیں اور اس میوزیم میں امیر تیمور کے زمانے کی نایاب و نادر اشیا کو جمع کی گئی ہیں جو ازبکستان کی تہذیب کو سیاحوں کے لیے ماضی کی یاد دلاتی ہیں۔

اس کے بعد ڈاکٹر میا صاحبہ کے گھر پر تکلف عشائیہ رکھا گیا جس میں ڈاکٹر الفت محب بھی خواجہ صاحب کے ساتھ تھیں۔ پھر انسٹی ٹیوٹ کے استاد "ڈاکٹر سراج الدین نور متوف کے ہمراہ تاشقند کے مشہور علاقے کی سیر کی۔ اس علاقے کے متصل پارک جو بین الاقوامی دوستی کا علاقہ ہے اور اس علاقے میں تقریباً تمام بین الاقوامی دفاتر موجود ہیں۔

اس کے بعد سفر نامے میں خواجہ صاحب تاشقند کے قدیم بازار "چار سو" کا ذکر کرتے ہیں۔ اس بازار کا پروگرام ڈاکٹر میا عبدالرحمانو اکے ہمراہ بنایا گیا اور خواجہ صاحب تاشقند کے شہر قدیم کو دہلی کے چاندنی چوک جیسا قرار دیتے ہیں اور "چار سو" بازار جہاں ہر طرح کی چیزیں دستیاب ہیں اور بازار کے کونے میں سونے کے زیورات کی بہت سی دکانیں پائی جاتی ہیں جبکہ زیورات بھی سستے میسر ہیں اور خاص طور پر خشک میوے جات اور گھریلو اشیا عام پائی جاتی ہیں۔

اس کے بعد تاشقند کے مضافات میں "زنگی اوتا" بزرگ کے مقبرے کی زیارت کا ذکر ملتا ہے۔ ازبکستان میں اولیا اور صوفیا کے مزارات بہت سے ہیں۔ زنگی اوتا کے حوالے سے خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

"زنگی اوتا کا دربار مقام تاشقند سے تقریباً پندرہ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔
اس پورے علاقے کو اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ "شیخ علی خواجہ معروف بہ
زنگی اوتا" جس کو ہم اپنی زبان میں زنگی باب یا زنگی آقا کہہ سکتے ہیں کیونکہ
ازبک میں اوتا یا آتا کا مطلب بابا یا آقا ہوتا ہے۔ یہ تیرھویں صدی کے
بہت بڑے بزرگ تھے۔"(۸)

دین اسلام کی تبلیغ کی بدولت دیکھتے ہی دیکھتے کئی مریدین بنتے گئے۔ انھوں نے دین اسلام کے پیغامات کو وسط ایشیا میں فروغ دیا۔ ان کے مقبرے کو ۱۸۷۰ء میں بنایا گیا۔ یہ ایک بڑا احاطہ ہے جس میں مسجد، خانقاہ، اقامت گاہ، حوض، دروازہ خانہ، زندگی بابا اور انبر بی بی کا مقبرہ اور بلند مینار ہے اور اسی میں متصل قدیمی قبرستان ہے جہاں قبرستان کی بعض قبروں پر تصویریں بھی موجود ہے اور اس دربار میں پوری دنیا سے بڑی تعداد میں زائرین آتے ہیں۔

ازبکستان میں خواجہ صاحب کی کسی دربار یا آستانے میں پہلی حاضری تھی اور خواجہ صاحب کے مزار کا نقشہ خوبصورتی سے بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ازبکستان کی حکومت کے طرف سے مقرر خادم درود شریف پڑھتے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور اجتماعی طور فاتحہ میں سب شامل ہوتے اور نذر و نیاز کے لیے خاص ڈبے میں حسب توفیق روپے و

پیسے ڈالے جاتے ہیں۔خواجہ صاحب نے مزار کے قالین سے دیواروں تک کو سفر نامے میں شامل کیا ہے اور مقبرے کی تصویریں بھی سفر نامے کا حصہ ہیں۔

اس کے بعد تاشقند کی نئے طرز کی مسجد جسے ”مینار مسجد“ کا نام دیا گیا ہے۔خواجہ صاحب اس مسجد کی زیارت ذکر فرماتے ہیں:

> ”مینار جامع مسجد تاشقند میں طرز جدید کی عمارت کا شاندار نمونہ ہے۔ یہ سفید سنگ مرمر اور ٹائلس سے بنا ہے اس کا نیلا گنبد خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتا ہے۔چاندرات میں اس کا نظارہ دلکش ہوتا ہے۔یہاں کی آب و ہوا اتنی شفاف ہے کہ عمارت کے رنگ کو نقصان نہیں پہنچا تا اندرونی حصے مشرقی طرز کے زیب وزینت سے مزین ہیں۔ محراب کے حصے میں خالص سونے سے قرآنی آیات اور نقش ونگار بنائے گئے ہیں۔ یہ مسجد ۱۹۱۳ء میں بنانی شروع کی اور اکتوبر ۱۹۱۴ء کو میلاد النبی ﷺ کے موقع سے اس کا افتتاح ہوا اس مسجد میں ۲۴۰۰ لوگ بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔“(۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسجد مقامی اور غیر ملکیوں کے لیے قابل زیارت کا مقام رکھتی ہیں۔خواجہ صاحب کا ازبکستان کے مختصر قیام میں تاریخی مقامات کی سیر قابل دید ہیں۔

”مینار مسجد“ کے بعد خواجہ صاحب ”میدان استقلال“ کا ذکر کرتے ہیں۔ میدان استقلال کو (Mustaqillik Maydeni) کہتے ہیں۔اس کے پاس ہی صدر ازبکستان کا گھر اور دفتر ہے خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

> ”سویت یونین کے زمانے میں یہاں لینن کا ایک دیو قامت مجسمہ ہوا کرتا تھا۔ جسے منہدم کر دیا گیا ہے اور صدر کے گھر کو بھی نئے سرے سے بنایا گیا ہے۔ یہ اہم شاہراہ پر واقع ہے۔ سڑک کے کنارے سے ہی ایک خوبصورت گیٹ نما تعمیر اور اس کے چاروں طرف فوارے درمیاں میں خوبصورت سبزہ زار اور ارد گرد بلند وبالا عمارتوں نے اس تفریح گاہ کو خاصا دلفریب بنا دیا ہے۔“(۱۰)

اس کے بعد خواجہ صاحب ”میموریل اسکوائر“ پر بات کرتے ہیں۔ یہ باغات کے درمیان واقع ہے اور اس کے دونوں جانب دالان نما عمارات بنائی گئی ہیں اور اس عمارت کے ہر حصے میں پیتل کی ایک بڑی کتاب بتائی گئی جو بیں صفحات پر مشتمل ہیں جو ازبکستان میں آزادی کے لیے شہید ہوئے فوجیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ ”میموریل اسکوائر“ کو شہیدوں کی یاد میں بنایا گیا ہے اور میدان میں ایک بڑا مجسمہ ”ماں“ کی علامت کو ظاہر کرتا ہے۔

ازبکستان میں یوم آزادی کی تقریبات جو ۹ مئی کو ”وکٹری ڈے“ کے طور پر بتائی جاتی ہیں۔ خواجہ صاحب اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> ”یہ وہ دن ہے جس دن ازبکستان کے بہادر اور جیالے افراد نے اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کر کے اس ملک کو فاشزم سے نجات دلائی۔ ۹ مئی کو ہر سال بڑے اہتمام سے اس دن کو منایا جاتا ہے۔ صدر مملکت خود شریک ہوتے ہیں اور حکومت سے وابستہ تمام لوگوں لازمی طور پر شریک ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ دن ازبکستان کے لیے فخر اور سربلندی کا دن تصور کیا جاتا ہے۔“(۱۱)

آزادی سے پہلے روسی حکومت نے جن شہدا کو قتل کر دیا تھا ان کی یاد میں اس علاقے کے قریب ہی ”امیر نوائی شاہراہ پر شہیدوں کا میدان یا پارک واقع ہے۔ اس میدان کے درمیان میں نیلا گنبد اور دوسری طرف بڑا سا مصنوع آبشار بنایا گیا ہے اور آبشار کے ختم ہوتے ہی ایک بڑا قدرتی آبی ذخیرہ موجود ہے۔ البتہ شہیدوں کی قبروں کو مسمار کر دیا گیا ہے اور اسی احاطہ میں ایک میوزیم دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس میوزیم میں شکست خوردہ روسی حکومت کی گاڑیاں اسلحہ اور یہاں کی آزادی کی یادگار تصاویر وغیرہ موجود ہیں۔

اس کے بعد خواجہ صاحب طلبہ وطالبات کے ہمراہ تاشقند میں ”غفور غلام“ پارک کی سیر کے بارے میں بات کرتے ہیں اور تاشقند شہر کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

> ”تاشقند شہر رقبے اور آبادی کے لحاظ سے اگر چہ چھوٹا ہے مگر اس شہر میں اتنی قدیم تاریخی عمارتیں اور قابل دید مقامات ہیں کہ سب کو چند دنوں میں دیکھنا ممکن ہے۔“(۱۲)

سمرقند شہر اولیا و صوفیا

تاشقند سے سمرقند اور بخارا کے سفر کے انتظام کے لیے خواجہ صاحب ڈاکٹر لولا مکتوبہ صاحبہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ تاشقند سے سمرقند کی دوری تین سو کلو میٹر کی ہے۔ اس سفر میں خواجہ صاحب کے ہمراہ تاشقند سے دو طالب علم جناب شاہ رخ اور احمد تھے۔ تاشقند سے سمرقند جانے والی شاہراہ آگے چل کر شاہراہ ریشم (سلک روٹ) سے ملتی ہے۔ سڑک کے کناروں پر زرعی فارم کا سلسلہ اور سرسبز و شاداب چیری، کہیں پتیر، کہیں اسٹابیری اور کہیں خوبانی کے باغات اور سبزیاں وغیرہ عام دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ، شادابی، وادیوں کا منظر، پہاڑوں کا حسین نظارہ اور دریائے ”سنگ زار“ نے خواجہ صاحب کے سفر کو مزید خوشگواریت عطا کی۔

امام بخاری کمپلیکس

سمرقند شہر سے پچیس کلو میٹر کے فاصلے پر" امام بخاری کمپلیکس" واقع ہے۔امام بخاری کمپلیکس کے حوالے سے خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

> "سامنے امام بخاری کا روضہ نظر آیا۔ ہم نے تصویروں میں پہلے دیکھ رکھا تھا۔اب اپنی اصل آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اپنے محبوب بندے کی بارگاہ میں آنے کا شرف بخشا۔ یہ عمارت چاروں طرف سے الگ الگ عمارات کا حصہ ہے۔سامنے دوسو میٹر کی دوری پر امام بخاری کا مزار اور گنبد ہے دائیں جانب وسیع و عریض مسجد ہے بائیں طرف میوزیم ہے۔امام بخاری کا مزار اندرونی حصے میں ہیں اور جو باہر سے مزار دکھائی دیتا ہے وہ دراصل علامت ہے اسی کے نیچے اصل مزار ہے۔ جہاں سب کو جانے کی اجازت نہیں،زائرین سامنے جاکر گنبد کے نیچے مزار کے قریب جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اس کے تین طرف دالان نما عمارت بنی ہے۔ جہاں زائرین تلاوت یا فاتحہ پڑھنے کی جگہ بنی ہوئی ہے۔"(۱۳)

مسجد جو خاص زیب و نقش و نگار سے بنی ہوئی ہیں اور وہاں کے امام بھی خاص لباس زیب تن کرتے ہیں۔خواجہ صاحب کا امام کے ساتھ اجتماعی دعا میں شرکت فرمانا اور لوگوں سے مصافحہ کرنا پھر مسجد کے سامنے بنے ایک حوض سے پانی کو متبرک کے طور پر پینا اور قرآن میوزیم جو احاطے میں موجود تھا کی زیارت کرنا شامل ہیں۔

خواجہ صاحب نے سمرقند کے جس ہوٹل میں قیام فرمایا وہاں تقریباً تمام تاریخی مقامات نزدیک ہی تھے۔ یہاں صدیوں پرانا "بازار سیاب" کا ذکر ملتا ہے۔ یہ سلک روٹ پر صدیوں پہلے بنایا گیا تھا۔ سلک روٹ جو پرانی تہذیب کی ترقی اور نئے زمانے کی ترقی کی علامت جانا جاتا ہے۔خواجہ محمد اکرام الدین صاحب نے زمانہ قدیم کے ان تجارتی راستوں "آزاد دائرہ المعارف" کا حوالہ دیتے ہوئے تفصیلی اقتباس بھی شامل کر دیا ہے اور نقشے کی تصویر بھی شامل سفر نامہ ہے۔

سلک روڈ پر پر واقع ایک پرانا بازار جو "سیاب بازار" کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس کے دوسری طرف سڑک پر صدر ازبکستان اسلام کریمفوف کا مقبرہ اور مسجد حضر کافی اونچائی پر واقع ہے۔ امیر تیمور کے دور کی جامع مسجد بی بی خانم مسجد کے نام سے مشہور ہے۔خواجہ صاحب نے ازبکستان کی مشہور تاریخی مسجد (جس کو امیر تیمور نے اپنی بیوی کے نام کی تھی) کی تاریخ کو اقتباس کی صورت میں دائرہ المعارف کا حوالہ پیش فرمایا ہے۔اس اقتباس میں خواجہ صاحب نے مسجد کی بلندی اور زلزلے کے بعد مسجد کی تعمیر اور مسجد میں امیر تیمور کی دو بیویوں اور خاص خادمہ کی قبروں کا ذکر کیا ہیں۔

شاہ زندہ

ش اہ زندہ کمپلیکس سمرقند کے وسیع و عریض علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔خواجہ صاحب شاہ زندہ کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

”حضرت قثم بن عباس بن عبدالمطلب کی نسبت سے ”شاہ زندہ“ کہلاتا ہے۔ آپ کے چچا زاد بھائی تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہاں آئے۔ مشرق وسطی میں دین اسلام کی تبلیغ کے لیے سب سے پہلے آپ کی آمد ہوئی۔ آپ ﷺ نے عمر کے آخری حصے تک دین کی تبلیغ کی اور یہیں شہادت پائی۔ آپ کے حوالے سے بہت مشہور ہے کہ اس وقت کے حاکم وقت نے آپ کو قید کرنے اور پھانسی کا حکم دیا تو جب سپاہی قریب آئے تو یہ اپنے حجرے سے باہر نکلے اور حجرے کے قریب ہی ایک کنواں بنوایا تھا جس سے لوگ سیراب ہوتے تھے۔ جو نشیب میں واقع تھے۔ اس کنوئیں کی جانب اترے اس کے بعد پھر نظر نہیں آئے اسی لیے انہیں شاہ زندہ کہا جاتا ہے۔ اس کے احاطے میں کوئی مقبرہ نہیں ہے یا کم عبادت کرنے کا حجرہ اس کے ساتھ نزدیک مسجد ہے۔ جہاں لوگ جاتے اور فاتحہ پڑھتے ہیں وہ کنواں بھی موجود ہے۔“(۱۴)

اور قریبی مسجد کو ”مسجد حضر“ کہا جاتا ہے اور اس کے احاطے میں امیر تیمور کے حکم کے مطابق بہت سے مقبرے گنبدوں کے ساتھ بنائے گئے ہیں اور حضرت قثم بن عباس بن عبدالمطلبؓ کا حجرہ سب سے بلندی پر واقع ہے۔

مسجد خضر

مسجد خضر بھی شاہ زندہ کمپلیکس کی طرح زمین کے بالائی حصے پر واقع ہے۔ دونوں عمارتوں کے درمیان پہاڑی پر قدیم قبرستان ہے۔ اس مسجد کے حوالے سے خواجہ صاحب ایک روایت یوں لکھتے ہیں کہ:

”یہاں حضرت خضرؑ تشریف لائے تھے۔ ان کی تشریف آوری کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت قثمؓ کو سزائے موت سنائی گئی تھی تو حضرت خضر نے ہی اللہ کے حکم سے ان کی روپوشی میں مدد کی تھی۔ اسی لیے اس مسجد کا نام شروع سے ہی ”مسجد خضر“ ہے۔“(۱۵)

اس مسجد کی تعمیر کے لیے بڑی تعداد میں زائرین آتے ہیں۔ اس مسجد میں دو حجرے موجود ہیں جن میں ایک عورتوں کے لیے اور دوسرا مردوں کے لیے ہیں۔ جہاں پر لوگ عبادت کرتے ہیں۔

ریگستان اسکوائر

بی بی خانم مسجد جہاں واقع ہے وہی سڑک ریگستان کو جاتی ہے۔ ریگستان ایک بہت بڑا میدان ہے جس کے تینوں طرف مسجد اور مدرسہ کی شاندار بلند و بالا عمارتیں ہیں اور یہی ازبکستان کی پہچان بھی ہے اور اسے ریگستان اسکوائر بھی کہتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اس میدان کی تین الگ الگ عمارتوں کا چند سطروں میں تعارف اس طرح پیش کیا ہے:

پچاس کمروں پر مشتمل یہ مدرسہ ۱۴۱۷ء میں تعمیر ہوا جہاں ایک کمرے میں دو طالب علم تھے۔ یہ جگہ اس زمانے کی سب سے اعلیٰ درس گاہ تھی اور اس دور کے بہت سے عظیم شاعر، مفکر، فلسفی، دانشوراں اور ماہر فلکیات کا تعلق مدرسہ اسغ بیگ سے تھا۔

مدرسہ شیر دار

سمرقند کے مشہور سیاست داں شیر دار خان نے ۱۶۱۹ء میں یہ مدرسہ تعمیر کروایا اور اس مدرسہ کے دروازے پر تیر کا نشان بنا ہوا ہے۔

مدرسہ طلاکاری

طلاکاری مسجد و مدرسہ بھی شیر دار خان کی تعمیر کردہ ہے۔ اس کی تعمیر ۱۶۴۶ء سے ۱۶۶۰ء تک مکمل کی گئی۔ اس کو طلاکاری کہنے کی وجہ یہاں مسجد کے محراب اور گنبد کو خالص سونے سے نقاشی کی گئی ہے اور اس کے احاطے میں مختلف اقسام کے پھولوں کو لگایا گیا جو سیاحوں کے لیے دیدہ زیب ہیں، اب ان کمروں کو دکانوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور یہ عالمی ورثہ میں شامل ہے۔

امیر تیمور کا مقبرہ

سمرقند میں امیر تیمور کا مقبرہ واقع ہے اور اس مقبرے میں اس کے خاندان کے افراد کی قبریں بھی موجود ہے۔ ازبکستان میں سب سے زیادہ عمارتیں امیر تیمور کے زمانے میں بنائی گئیں۔ جو زائرین کے لیے توجہ کا مرکز ہے۔ خواجہ صاحب نے نا صرف امیر تیمور کے مقبرے کی زیارت فرمائی بلکہ جیسے لوگوں کے لیے مقبرے کی تصویریں بھی سفر نامے میں شامل فرمائی ہیں۔

اللہ کے نبی حضرت دانیالؑ کے مزار مبارک پر

سمرقند شہر کے باہر پہاڑی پر یہ مزار مبارک واقع ہے اور اس کے نیچے نہر اور قریب ہی ایک چشمہ ہے جس کے پانی کو ہر مذہب کے لوگ شفا مانتے ہیں۔ حضرت دانیالؑ کی قبر مبارک کے بارے میں اختلاف پایا گیا ہے۔ جبکہ خواجہ صاحب خود ازبکستان سے پہلے مصر کے پرانے شہر اسکندریہ میں حضرت دانیال پر حاضری دے چکے تھے۔ سمرقند میں ان کی قبر مبارک کی لمبائی کو بھی سترہ میٹر رکھا گیا خواجہ صاحب نے اس کی وجہ ایک روایت کی صورت میں بیان فرمائی ہیں اور مزار مبارک اور چشمہ کی تصویریں بھی لی ہیں۔

ازبکستان کے شہر بخارا کے حوالے سے خواجہ صاحب اپنی کتاب "مشاہدات" میں لکھتے ہیں:

> "ازبکستان کا ایک شہر جسے دنیا میں کافی شہرت حاصل ہے یہ شہر اسلامی ملکوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس شہر کا نام "بخارا" ہے۔ یہ ازبکستان کا پانچواں بڑا شہر ہے۔ دنیا کے قدیم ترین شہر میں اس کا نام لیا جاتا ہے۔ بخارا قدیم تہذیب کا نمائندہ شہر ہے۔"(۱۶)

شاہراہ ریشم جو خوبصورت، دلکش اور مختلف اقسام کے پھلوں سے لبریز سیاحوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔
بخارا میں نہ صرف خواجہ صاحب نے روحانی سیر فرمائی بلکہ ازبکستان کی شادی کی رسوم بھی آنکھوں سے دیکھی۔ اورینٹل اسٹڈیز سے تعلق رکھنے والی لولا صاحبہ نے اپنے طالب علم ''رمز الدین'' کے توسط سے خواجہ صاحب کو شادی کی دعوت دی۔ جسے خواجہ صاحب نے قبول فرمایا اور شاہ رخ اور احمد صاحب کے ہمراہ خواجہ صاحب بخارا میں رمز الدین کے گھر پہنچے جنھوں نے بھرپور خیر مقدم کیا۔

دل کو چھو جانے والی چند رسمیں

خواجہ صاحب نے یہاں ازبکستان کی چند رسمیں جو حقیقت میں ایک اجنبی کو خوبصورت احساس اور پر کشش احساس دیتی ہیں۔ جب کوئی مہمان سے ملتا توسب مل کر خیر کی دعا کرتے اور مصافحہ کرتے۔ اس کے علاوہ بخارا شہر کی توسیع اور بڑی بڑی کالونیوں کا ذکر ملتا ہے۔ قدیم عمارتوں کی جگہ جسے بھی حوض Lyabi.i.Heuz کہا جاتا ہے اور اس کے قریب ہی مدرسہ اور قدیم بازار بھی موجود ہیں۔

مردانہ پلاؤ کی رسم:

ازبکستان کی شادی کی رسموں میں ایک رسم مردانہ پلاؤ کی تھی اگر ازبکی لوگوں کی پسندیدہ غذا ''پلاؤ'' کہا جائے تو کچھ غلط نہیں ہوگا اس پلاؤ میں گوشت اور کسی خاص پرندے کے ابلے ہوئے چھوٹے چھوٹے انڈے بھی ڈالے جاتے ہیں۔ یہ رسم دلہن کے گھر کے قریبی ہوٹل وغیرہ میں لڑکی والے رخصتی سے ایک دن پہلے کرتے ہیں۔ اس رسم میں پہلے صرف مرد حضرات شامل ہوتے تھے جبکہ اب وقت کی تبدیلیوں کے مطابق گھر کی قریبی خواتین بھی رسم میں شرکت کرتی ہیں۔

سات خواجگان کا شہر بخارا

بخارا شہر سے پچاس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع غجدوان شہر ہے۔ یہ شہر پوری دنیا میں ''خواجہ دوجہان خواجہ الخالق غجدوانی'' کی وجہ سے شہرت یافتہ ہے۔ اس کے متعلق خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''ان کے علاوہ ان کے سلسلے کے چھ اور خواجہ بخارا کے مضافات میں ہیں۔
> اسی وجہ سے بخارا کو سات خواجگان کا شہر کہا جاتا ہے۔ خواجہ عبدالخالق
> غجدوانیؒ کی پیدائش ماوراء النہر کے عظیم مشائخ اور نقش بندی کے سلسلے کے
> پیر طریقت میں ایک ہیں۔''(۱۷)

کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت سے قبل ہی ان کے والدین کو روشن چراغ اور ان کے نام کی بشارت دی گئی تھی۔
ان کو ''خواجہ دوجہاں'' بھی کہتے ہیں۔ ان کے مزار پر دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں۔ جن میں خواتین کی تعداد زیادہ ہیں۔
اس کے بعد خواجہ اکرام الدین نے حضرت خواجہ انجیر فغنوی کے مزار پر حاضری دی اور پھر حضرت خواجہ عارف ریوگری کے دربار میں حاضر ہوئے یہ مزار خواجہ انجیر فغنوی کے مزار سے دس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ بہاالدین نقشبندیؒ اور ان کے والدہ کے مزار مبارک پر حاضری کا ذکر ملتا ہے۔ یہ مزار ایک وسیع و عریض احاطے

میں واقع ہیں اور اس میں مسجد اور صوفی خانقاہ میوزیم ہے اور ساتھ ہی قبرستان ہے۔ جہاں اولیاء واصفہاء مدفون ہیں۔ ان کی مختصر تفصیلات خواجہ صاحب نے وکی پیڈیا، آزاد دائرہ المعارف اور دو کتابوں کے حوالے سے تحریر کی ہیں۔ حضرت بہاالدین نقشبندی کے استاد حضرت خواجہ علی، حضرت خواجہ بابا سماسی (جن کو ''قطب عالم'' بھی کہتے ہیں) اور بخارا شہر قدیم کی گلیوں میں حضرت بند کشا میں حاضری دی اور اس کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس کے بعد خواجہ صاحب شہر بخارا کے مساجد یعنی حوض کے قریب ہی موجود ہے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ جن میں مسجد کلاں اور امام بخاری کی مسجد جہاں ۶۰ ہزار نمازی نماز ادا کرسکتے ہیں۔ یہ بہت کشادہ اور وسیع و عریض احاطے میں واقع ہیں۔ مسجد کلاں کے ساتھ کچھ دوری پر امیر تیمور کے پوتے مرزا الوغ بیگ کا تعمیر کردہ مدرسہ ہے اور اس کے بعد امیر بخارا کے قلعہ واقع ہے۔ جس کے متعلق خواجہ صاحب جو نقشہ کھینچتے ہیں:

> ''امیر بخارا کا محل آج بھی اسی شان و شوکت کی علامت ہے۔ جو کبھی ماضی میں رہا ہو گا محل کی فصیل بلند و بالا اور مرکزی دروازہ کئی میٹر اونچا ہے۔ محل میں داخل ہونے کے لیے ڈھلوان راستہ بنایا گیا ہے۔ جس سے ہو کے محل کے مرکزی حصہ میں پہنچا جاتا ہے۔ محل کا مرکزی ہال جہاں امیر بخارا کے لیے تخت لگایا جاتا تھا۔ محل میں مسجد ایک بلند مقام پر تعمیر کی گئی تھی جو دور سے دکھائی دیتی تھی۔ دور سے دیکھنے پر ہر قلعہ مٹی کا نظر آتا ہے۔''(۱۸)

شادی کی تقریبات اور کچھ نئی رسمیں:

بخارا کی روحانی سیر کے ساتھ خواجہ صاحب نے ازبکستان کی شادی کی مختلف تقریبات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس یہاں جہیز کی رسم نہیں غیر ضروری تکلفات بھی نہیں ہیں۔ شادی کی تقریبات کے علاوہ ایک چیز جو خواجہ صاحب نے نوٹ فرمائی وہ کچھ اس طرح تھی:

> ''ازبکستان میں ایک انوکھی چیز دیکھی اور بہت اچھا لگا کہ کاش ہمارے یہاں بھی ایسا ہو اس کے بارے میں ہمارے ازبکی دوست نے کہا کہ جناب ازبکستان میں ہر شخص ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ مجھے یہ بات اس وقت سمجھ میں نہیں آئی مگر ایک دو دن میں جب اس کا مشاہدہ کیا تو بہت اچھا لگا۔ دراصل یہاں پرائیوٹ ٹیکسیوں کا نظم بہت کم ہے۔ جن کے پاس کار ہے وہ بغیر کسی تکلف کے راستے میں کسی بھی شخص کو بیٹھا لیتے ہیں اور ان سے کرایہ وصول کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والوں میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ آفیسر بھی ہوسکتے یا عام بزنس مین یا کوئی بھی۔''(۱۹)

دوسری بات یہاں مغربی لباس میں ہونے کے باوجود کسی قسم کی بد تمیزی اور کرائم کی رپوٹ درج نہیں ہوتی اور یہاں کے لوگ جھوٹ بہت کم بولتے ہیں اور امن و امان میں رہنے کی وجہ بھی یہی ہیں اس لیے ازبکستان خوش رہنے والے ملک میں ۴۴ نمبر پر ہیں۔

ہوس گروہی گروپ

”ہوس“ کا ازبکستان میں لفظی مطلب آرزو ہے۔ ہوس گروپ کے متعلق خواجہ لکھتے ہیں:

> ”ازبکستان میں یہ ایک فیملی میوزیک گروپ ہے اس گروپ میں بھائی بہن اور والد سب کے سب ایک ہی فیملی سے ہیں ان کے والد کا نام رستم ہے جو ان بچوں کی کافی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ گروپ ”ہوس گروہی“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ازبکستان میں ہوس کا لفظی معنی آرزو ہے یہ کافی مقبول گروپ ہے۔ ان کی ایک خاصیت یہ ہے کہ یہ ہندوستانی فلمی نغموں کو بہت خوبصورتی سے گاتے ہیں۔ جبکہ یہ اردو ہندی نہ بول پاتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔“(۲۰)

ازبکستان میں دلہن کی رخصتی کے دوسرے دن ولیمہ کی تقریب رکھی جاتی ہے۔ اس تقریب میں ایک خاص بات یہ ہے کہ دلہن اور دلہا حاضرین کے استقبال کے لیے کورنش بجالاتے ہیں اور اسٹیج پر آنے کے بعد بھی مسلسل جھک جھک کر سلام پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس تقریب میں میوزیک اور انواع واقسام کے کھانے پینے کی چیزیں میز پر رکھی جاتی ہیں اور ہندوستانی فلموں کے گانے پر پوری محفل جھوم اٹھتی ہیں اور رقص میں کھو جاتے ہیں۔

تاشقند واپسی:

تاشقند میں خواجہ صاحب نے طلبہ وطالبات کی گزارش پر تاشقند کے مضافات پہاڑوں کی سیر کی ”بیلندر سائے“ جو تاشقند سے تقریباً ۷۰ کلومیٹر کے فاصلے پر خوبصورت پہاڑ ہے۔ یہ سرسبز و شاداب نشیب و فراز اور بے حد دلفریب نظارہ ہے۔

تاشقند میں رمضان کا آغاز ہو چکا تھا۔ اورینٹل اسٹڈیز، تاشقند کے طلبہ وطالبات نے خواجہ صاحب کے لیے شہر کے مشہور ریسٹورنٹ الہلال میں الوداعی افطار اہتمام کیا۔ خواجہ صاحب کے لیے طلبہ وطالبات کی محبت کسی خوشی اور حیرت سے کم نہیں تھی۔ خواجہ صاحب تاشقند میں الوداعی تقریب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”یہ تقریب ایک تو ہماری الوداعی تقریب تھی اور دوسرا اس میں ہماری اور ڈاکٹر محیا عبد الرحمانوا کی مشترکہ تصنیف ”اردو شاعری“ کی رسم اجرا بھی تھی۔ تاشقند اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کے اساتذہ کا تہہ دل

سے شکریہ کہ انھوں نے میرے لیے الوداعی تقریب کا اہتمام کیا اور مجھے اعزاز سے نوازا۔“(۲۱)

لال بہادر شاستری سینٹر فارانڈین کلچر میں لیکچر کے حوالے سے خواجہ صاحب یوں لکھتے ہیں:

”پروفیسر چندر شیکھر، ڈائریکٹر لال بہادر شاستری سنٹر فارانڈین کلچر نے میرے لیکچر کا اہتمام کیا عنوان ”ہندوستان اور ازبکستان کے تہذیبی روابط“ تھا۔ لیکچر سے قبل ازبکی لڑکیوں نے ہندوستانی رقص پیش کیا، ہندی نغمے سنائے اس کے بعد پروفیسر بیات کی تقریر ہوئی اور آخر میں میری تقریر ہوئی، صف سامعین میں سب کے سب ازبکی تھے۔ اس لیے میری تقریر کا ترجمہ ڈاکٹر محیا صاحبہ نے کیا۔“(۲۲)

پروفیسر چندر شیکھر صاحب کے گھر انسٹی ٹیوٹ کے تمام اساتذہ کی افطار دعوت تھی۔ جن میں تاشقند میں اردو کے نامور ادیب ”تاش مزا خالرزاتی، جناب داد خان نوری (جن کے گھر فیض احمد فیض نے تاشقند میں قیام کیا تھا) وغیرہ قابل ذکر ہیں خواجہ صاحب کے لیے اردو ادب سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات سے ملاقات ایک تاریخی دن کی حیثیت رکھتا ہے۔

اگلے دن خواجہ صاحب کی دہلی کے لیے فلائٹ تھی جس میں ڈاکٹر محیا صاحبہ نے خواجہ صاحب کے ائیر پورٹ کے تمام مرحلے اپنی شاگردہ زلفی صاحبہ کے ذریعے آسان کیں اور یوں خواجہ صاحب امام بخاری کے ملک سے دہلی واپس آگئے۔ کتاب کے آخر میں ناقابل فراموش چند تصویریں بھی شامل ہیں جو قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ”امام بخاری کے ملک میں چند روز“ سفر نامے کا ازبک زبان میں ترجمہ ”پروفیسر محیا عبد احمانوا“ نے کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خواجہ صاحب کا پہلا سفر نامہ تھا اور دوسرا سفر نامہ جو ”مشاہدات“ کے نام سے ۲۰۲۰ء میں شائع ہوا تھا۔ ایک شاندار سفر ناموں پر مشتمل کتاب ہے۔ زیر تحریر سفر نامہ علمی و ادبی اور تہذیبی و ثقافتی خوبیوں کے ساتھ ازبکستان کی اردو درس و تدرس کا بخوبی اندازہ ہے۔ مجھے اس سفر نامے کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں بھی اس سفر میں خواجہ صاحب کے ہمراہ ہوں جس قدر خوبصورتی سے خواجہ صاحب نے الفاظ کا چناؤ اور رنگین تصویروں کو سفر نامہ میں شامل فرمایا ہے یہ سفر نامے کو مزید چار چاند لگا رہی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مقدمہ، اردو سفر ناموں میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت، مرتبہ: محمد، پروفیسر خواجہ اکرام الدین، ص:۱۰

۲۔ محمد ، پروفیسر اکرام الدین ، خواجہ ، امام بخاری کے ملک میں چند روز، نئی دہلی: ورلڈ اردو ایسوسی ایشن، ۲۰۱۹ء، ص:۴

۳۔ ایضاً، ص:۵

۴۔ ایضاً، ص:۶

۵۔ ایضاً، ص:۱۲

۶۔ ایضاً، ص:۱۷

۷۔ ایضاً، ص:۱۹۔۱۸

۸۔ ایضاً، ص:۲۲

۹۔ ایضاً، ص:۲۵۔۲۴

۱۰۔ ایضاً، ص:۲۶

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۲۸

۱۳۔ ایضاً، ص:۳۲

۱۴۔ ایضاً، ص:۳۷

۱۵۔ ایضاً، ص:۳۹

۱۶۔ محمد، اکرام الدین، خواجہ، مشاہدات، نئی دہلی: براؤن بک پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص:۲۲۶

۱۷۔ محمد ، پروفیسر، اکرام الدین، خواجہ، امام بخاری کے ملک میں چند روز، نئی دہلی: ورلڈ اردو ایسوسی ایشن براؤن بک، ۲۰۱۹ء، ص:۴۷۔۴۶

۱۸۔ ایضاً، ص:۵۵۔۵۴

۱۹۔ ایضاً، ص:۵۸

۲۰۔ ایضاً، ص:۵۹

۲۱۔ ایضاً، ص:۶۳۔۶۲

۲۲۔ ایضاً، ص:۶۴